



ایک آدمی روپ ہزار

اداکار، ایڈیٹر، سٹیج، مصنف اور کالم نگار

مستنصر حسین شاہ

مستنصر حسین شاہ کی شخصیت کے کئی پہلو اور ان کے تعارف کے کئی حوالے ہیں۔ وہ اداکار بھی ہیں اور لکھنے بھی، ناول نگار بھی ہیں اور سفر نامہ نگار بھی، کالم نویس بھی ہیں اور ٹی وی کے ڈراما رائٹر بھی۔ ان تمام شعبوں میں ان کی انتھک کارکردگی کی وجہ سے دنیا بھر میں ان کے بے شمار مداح موجود ہیں۔ ان میں سے بعض نے ٹارڈ صاحب کے فین کلب اور ان کی ویب سائٹس بھی بنا رکھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ٹی وی پر مارننگ شو کرنے والے وہ پہلے میزبان تھے۔ ان کے شو ”صبح بخیر“ اور پھر ”روشن پاکستان“ جب چلتے تھے، اس وقت چونکہ پرائیویٹ چینلوں کا سیلاب بھی نہیں آیا تھا، اس لیے اس میدان میں وہ اکیلے ہی راج کرتے تھے۔ ویسے تو وہ بچوں کے لیے ”چاچا جی“ بنے ہوئے تھے اور ان کا فوکس بھی زیادہ تر بچوں پر ہی ہوتا تھا لیکن خواتین و حضرات، جوانوں اور

”صبح بخیر“ اس وقت کا واحد مارننگ شو تھا اور پچاس ساٹھ لاکھ لوگ اسے باقاعدگی سے دیکھتے تھے۔ وہ سب مجھے اپنے خاندان کی طرح

لگتے تھے اور ان سے مخاطب ہونا، ان سے باتیں کرنا، ان کے ساتھ

زندگی کے معاملات شیئر کرنا خود مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔

بڑھوں، کبھی میں ان کی مقبولیت مثالی تھی۔ ان کے اسی شو کی وجہ سے انہیں ”فادر آف مارننگ شو“ بھی کہا جاتا ہے۔ انہیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی بھی مل چکا ہے۔ 13 جون 2015 کو ”اے ٹی وی“ نے اپنے پروگرام ”گڈ مارننگ زندگی“ میں، جس کی میزبان اداکارہ نور ہوتی ہیں، ان کا ایک طویل انٹرویو پیش کیا۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اسے قدرے اختصار سے تحریری صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ٹارڈ صاحب کے تفصیلی تعارف کے بعد اداکار نور نے ان سے گفتگو کا آغاز کیا۔

نور: پاکستان میں مارننگ شو بکلی بار آپ کی میزبانی میں پیش کیا گیا۔ اب تو مارننگ شو تقریباً ہر چینل کا لازمی حصہ ہے اور ہر مارننگ شو کی میزبان، خاتون ہوتی ہیں۔ کیا آپ یہ مارننگ شو دیکھتے ہیں؟

مستنصر حسین شاہ: جی ہاں..... کچھ مارننگ شو دیکھتا ہوں۔

نور: صبح دیکھتے ہیں یا پھر نشر کر رہے ہیں؟

نور: اس عمر میں اگر وقت کا کچھ خاص احساس باقی نہیں رہ جاتا۔ بس، جب بھی موڈ اچھا ہوا، دیکھ لیا۔ یہ جو آپ نے پہلی بار میری میزبانی میں مارننگ شو کا آغاز ہونے کی بات کی..... تو اسی طرح ایک شو میں ایک میزبان خاتون نے مجھے مارننگ شو کا والد گرامی قرار دیا تھا۔ انہوں نے انگریزی میں کہا تھا:

He is the father of morning shows

اس پر میں نے کہا تھا کہ ان مارننگ شو کی صورت میں میرے اتنے سارے بچے آگئے ہیں کہ میں خود بھی حیران ہوتا ہوں۔ ان میں سے ایک وہ کو تو میں بچکان سکتا ہوں لیکن باقی میرے نہیں ہیں۔ وہ پتا نہیں کہاں سے آگئے ہیں۔

نور: مجھے یقین ہے کہ جن ایک دو ”بچوں“ کو آپ پہچانتے ہیں، ان میں میرے پروگرام کو بھی شامل کر لیں گے؟

نور: آپ کے شو کو میں نے ہمیشہ سراہا ہے۔ یہ چیز ریکارڈ پر موجود ہے۔ میرے خیال میں ایک کمپیئر یا میزبان کو تھوڑا سا اداکار ضرور ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اس میں تھوڑی بہت تخلیقی صلاحیت بھی ہوتی اچھا ہے..... اور اسے خوبصورت تو ہونا ہی چاہیے۔ آپ میں ماشاء اللہ وہ تمام خوبیاں موجود ہیں اور میں نے صبح سویرے آپ کو دیکھ لیا ہے، امید ہے کہ اب دن اچھا گزرے گا۔

نور: دن تو آج ہمارا اچھا گزرے گا..... اور ہاں..... صبح سویرے پر یاد آیا.....

آپ نے آٹھ سال مسلسل مارننگ شو کیا، اور آپ کا شو صبح سات بجے شروع ہو جاتا تھا۔ میرا شو بچے شروع ہوتا ہے تو اس کے لیے مجھے صبح بچے اٹھنا پڑتا ہے۔ آپ کو اپنے سات بجے شروع ہونے والے شو کے لیے کتنے بچے اٹھنا پڑتا تھا؟

نور: میں رات کو دس بجے سو جاتا تھا۔ صبح ساڑھے چار بجے اٹھ کر، فجر کی نماز پڑھ کے تیار ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد ٹی وی کی گاڑی آ جاتی تھی لیکن میں گاڑی میں نہیں جاتا تھا۔ اس شو کے لیے میں اسلام آباد میں مقیم تھا۔ اسٹوڈیو میری قیام گاہ سے دو تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور میں یہ فاصلہ پیدل طے کرتا تھا۔ یہ میری مارننگ واک ہوتی تھی جس کی وجہ سے میں بہت تازہ دم نظر آتا تھا اور اس پر لوگ حیران ہوتے تھے۔ خاص طور پر سردیوں میں تو یہ واک مجھے بہت سی فریش کر دیتی تھی۔ ذہن بھی صاف ہوتا تھا۔ ”صبح بخیر“ اس وقت کا واحد مارننگ شو تھا اور پچاس ساٹھ لاکھ لوگ اسے باقاعدگی سے دیکھتے تھے۔ وہ سب مجھے اپنے خاندان کی طرح لگتے تھے اور ان سے مخاطب ہونا، ان سے باتیں کرنا، ان کے ساتھ زندگی کے معاملات شیئر کرنا خود مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ میں اسے محض ایک کام یا اپنے پیشے کا ایک حصہ سمجھ کر انجام نہیں دیتا تھا بلکہ یہ گو یا میری ایک ذاتی، بہت خاص اور بہت اہم مصروفیت تھی۔

نور: آپ نے آٹھ سال میں ایک بار بھی چھٹی نہیں کی؟

نور: یہ میرے رب کا خاص فضل تھا کہ مجھے چھٹی کی ضرورت نہیں پڑی۔ شاید مجھے دو ایک بار سردی کی وجہ سے زکام ہو گیا ہو..... تو میں آن ایئر بھی چھینک مار لیتا تھا اور ناظرین کو بھی بتا دیتا تھا کہ سردی میں پیدل آنے کی وجہ سے مجھے زکام ہو گیا ہے۔ میں ان اینکرز میں سے نہیں ہوں جو ”ہائی پریشر“ پر بیٹھ کر بات کرتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ اینکر بن کر انسان کوئی غیر معمولی مخلوق بن جاتا ہے، جسے زکام نہیں ہونا چاہیے اور جسے چھینک نہیں مانی چاہیے۔

نور: آپ کو تو شاید معلوم ہی نہ ہو کہ میں بھی آپ کی اور آپ کے پروگرام کی بہت بڑی فین ہوتی تھی۔ میں آپ کو اکثر لکھتی تھی، اس کے ارد گرد رنگ رنگی تصویریں بنا کر اسے سجاتی تھی بلکہ بعض اوقات تو پورے خط کو ہی رنگوں سے بھر دیتی تھی..... لیکن آپ نے کبھی میرا خط پروگرام میں نہیں پڑھا۔

نور: آپ نے اپنی تصویر ساتھ نہیں بھیجی ہوگی نا..... اس لیے۔

نور: تصویر بھیج دیتی تھی تب بھی شاید کوئی فائدہ نہ ہوتا کیونکہ میں اس وقت بچی تھی۔

نور: خیر..... یہ تو مذاق کی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر خطوط پروگرام میں شامل نہیں ہو پاتے تھے۔ ڈاک ہی اتنی زیادہ آتی تھی کہ سمجھ نہیں آتی تھی، کیا کریں۔ پوسٹ مین نے اس علاقے سے اپنا تبادلہ کر لیا تھا۔ وہ تو استعفیٰ دینے پر تیار گیا تھا کیونکہ ڈاک بورڈ کے حساب سے آتی تھی۔ پوسٹ مین کا کہنا تھا کہ جناب میں ڈاکیر ہوں، وزن اٹھانے والا مزدور نہیں کہ دو تین بوریاں اٹھا کر ٹی وی اسٹیشن آؤں۔ ڈاک خانے کی ایک بریڈریں پر رکھ کر ڈاک لائی جاتی تھی۔

نور: وہ مقبولیت شاید پھر کسی اور کو نصیب نہ ہوئی ہو۔

نور: ٹی وی پر وہ پہلا لائیو شو تھا اور ضیاء الحق کے زمانے سے شروع ہوا تھا، چنانچہ پالیسی کے حوالے سے بھی بہت زیادہ محتاط رہنا پڑتا تھا۔

نور: کیا اس شو کو پورا آئیڈیا آپ کا تھا؟

نور: نہیں، ایک پوری ٹیم ہوتی تھی۔ اکیلا آدمی تو کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ خالد محمود زیدی ہمارے پروڈیوسر تھے، لیکن زیادہ بوجھ بہر حال میزبان کو ہی اٹھانا ہوتا ہے کیونکہ وہ سب کی نظروں کے سامنے ہوتا ہے، شو میں جان ڈالنے کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوتی ہے یا کم از کم اس سے توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ شو میں جان ڈالے گا۔ چنانچہ میرے مارننگ شو کا بھی زیادہ بوجھ مجھ پر ہی تھا۔

نور: آپ کے مارننگ شو کا نام پہلے ”صبح بخیر“ تھا پھر ”روشن پاکستان“ رکھ دیا گیا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

نور: جی ہاں..... نام تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ یہ اوپر والوں کی مرضی سے ہوتا تھا۔ ممکن ہے اس طرح وہ نئے پن کا تاثر دینا چاہتے ہوں۔

نور: آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں؟

نور: میں نے ساری زندگی لکھنے پڑھنے کا ہی کام کیا ہے یا پھر میڈیا میں رہا ہوں۔ میں نے کبھی کوئی کاروبار یا ملازمت نہیں کی۔

نور: آپ نے اداکاری کیوں چھوڑ دی؟

نور: میں بڑا عملی اور حقیقت پسند آدمی ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھ میں اداکاری کا جتنا جوہر تھا، وہ میں نے استعمال کر لیا۔ اب میں اس سے آگے نہیں

جاسکتا۔ چنانچہ میں نے اداکاری چھوڑ دی۔

نور: آج کے مارننگ شو کے دوران کوئی ناقابل فراموش واقعہ پیش آیا؟

نور: واقعات تو بہت سے ہوئے۔ سب کے بیان کرنے کی گنجائش تو نہیں ہوگی۔ بہر حال ایک واقعہ شاید میں کبھی نہ بھول سکوں۔ ایک شو کے دوران ایسا زبردست دھماکا سنا دیا جیسے ایٹم بم پھٹ گیا ہو۔ میں جس اسٹوڈیو میں بیٹھا تھا، ایک راکٹ مین اس کے قریب آکر پھنسا۔ ایک بھگدڑ اور افراتفری مچ گئی۔ سب سے پریشان کن بات یہ تھی کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی کسی کو معلوم ہو پا رہا تھا کہ ہوا کیا ہے..... وہ اوپر ہی کپ والاسنا تھا۔

نور: اور وہ ”بمب“ والا کیا قصہ تھا؟

نور: پس منظر اس کا کچھ یوں ہے کہ میں والدین کا پہلا بیٹا تھا، شاید اس لیے کچھ زیادہ ہی لاڈلا تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ ہر ماں کی نظر میں اپنا بچہ خوبصورت ہوتا ہے، اس لیے میں جیسا بھی تھا، بہر حال اپنی ماں کی نظر میں بہت خوبصورت تھا۔ شاید اسی لیے میری کبھی بند نہیں کرائی گئی۔ شاید اس خیال سے کہ اس طرح کہیں میری ”خوبصورتی“ میں کمی واقع نہ ہو جائے۔ جن دنوں میرا مارننگ شو چل رہا تھا، اس وقت تک میں زندگی میں کبھی گنجانا نہیں ہوا تھا۔ رمضان میں پورا مہینہ میرا شو نہیں چلتا تھا۔ اس دوران مجھے شوق چڑھا کہ گھنٹے ہو کر دیکھنا چاہیے، کیسا محسوس ہوتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ایک مہینے میں تو بال دو بارہ اتنے ہی ہو جائیں گے جتنے گنجانے ہونے سے پہلے تھے..... لیکن ستم یہ ہوا کہ ایک مہینے میں میرے بال ڈراڈرا سے ظاہر ہوئے۔

یعنی شو دوبارہ شروع کرنے کا وقت آگیا اور میں تقریباً گنجانا ہی نظر آ رہا تھا۔ مجبوراً میں اسی حالت میں

اسٹوڈیو میں جا بیٹھا۔ شو شروع ہونے میں دو چار منٹ رہتے تھے جب خالد محمود زیدی (مرحوم) وہاں آئے۔ وہ اکثر نروں رہا کرتے تھے۔ مجھے دیکھ کر

اور زیادہ نروں ہو گئے کہ یہ کونجیک نما آدمی کون ہے۔ میک اپ والی لڑکی نے مجھے وگ لگانے کی

پیشکش کی تھی لیکن میں نے یہ سوچ کر اسے منع کر دیا تھا کہ بالوں کے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے، میں

اس پروگرام کا میزبان مستنصر حسین شاہ تھا، وہی رہوں گا۔ جب زیدی صاحب گھبرائے ہوئے، دوڑے دوڑے میرے پاس آئے تو یہی دلیل میں نے ان کے سامنے بھی دہرائی۔ پروگرام شروع ہوا، تو میں نے ناظرین کو مخاطب کرتے ہوئے

کہا ”آپ جانتے ہی ہیں، میں بہت پڑھا لکھا انسان ہوں، افلاطون نے ایک بات کہی تھی، خیر..... وہ تو میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے میں ابن خلدون کی تاریخی کتاب کے بارے میں بات کرتا ہوں.....“ اس کے بعد میں نے یکدم کہا ”میں اتنی گلیں

باتیں کر رہا ہوں لیکن آپ میری باتیں ذرا بھی نہیں سن رہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ مسلسل میری ٹیڈ کی طرف دیکھ رہے ہیں.....“ پھر میں نے انہیں ساری بات بچ بچ بتادی کہ میرا اندازہ غلط ہو گیا، میرا خیال تھا کہ ایک ماہ میں بال دوبارہ اتنے ہی

لبے ہو جائیں گے جتنے پہلے تھے، مگر وہ نہیں ہوئے۔ پھر میں نے بات سے بات نکالتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ بہر حال ٹیڈ کے بہت فائدے ہیں، گنجانے ہونے کے بعد نہ ہاتے ہوئے مجھے معلوم ہوا کہ انسان کے دوکان بھی ہوتے ہیں۔ نہ ہاتے

وقت جب ان کاٹوں پر ”شپ شپ“ کر کے پانی گرتا ہے تو نہ صرف ایک انوکھا لطف آتا ہے بلکہ موسم کا حال جاننے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، خود یہ خود ہی گرمی سردی کا پتہ چل جاتا ہے۔ گنگھی، شمشاد وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی..... غرضیکہ

ایک ٹیڈ، فائدہ بے ہزار۔

نور: پھر بال کتنے عرصے میں آئے؟

نور: بال تو دو دو حنائی سینے میں آگئے لیکن اس سے پہلے ایک اور مصیبت بھگتنا پڑی۔ اس پروگرام کے ایک ہفتے بعد لوگوں کے ایک سرکاری اسکول کی پرنسپل صاحبہ

گر جی برستی ٹی وی اسٹیشن آگئیں کہ آپ لوگ کس طرح نئی نسل کو بگاڑ رہے ہیں، آپ کے کمپیوٹر نے ٹیڈ کرائی ہوئی ہے اور وہ ٹی وی پر بیٹھ کر ٹیڈ کے فوائد بھی بیان کر رہے

ہیں، جس کے نتیجے میں ہمارا ادھا اسکول ٹیڈ کروا کر آگیا ہے۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میرے پروگرام کے یہ اثرات بھی ہو سکتے ہیں۔ پھر میں نے اگلے پروگرام میں

بیٹھ کر بچوں کو سمجھایا کہ وہ خواہ مخواہ ٹیڈ کرانے سے باز رہیں۔

میں بڑا عملی اور حقیقت پسند آدمی ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھ میں

اداکاری کا جتنا جوہر تھا، وہ میں نے استعمال کر لیا۔ اب میں اس سے آگے نہیں جاسکتا۔ چنانچہ میں نے اداکاری چھوڑ دی۔

نور: آپ آئیگوں تھے نا..... لوگ آپ کی تقلید کرتے تھے۔ اچھا، یہ بتائیں کہ آپ کے مارننگ شو میں ایسی کیا بات تھی کہ بچے، بڑے، مرد، عورت کبھی دیکھتے تھے؟

اب تو مارننگ شو صرف خواتین کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمارا فارمیٹ بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ کے شو میں ناظرین کے خطوط آتے تھے۔ خطوط یا ڈائری محفوظ بھی رہتی ہے۔ آج کل ای میل کا زمانہ ہے، جو آخر کار ڈیلیٹ ہو جاتی ہے۔ کیا آپ پرانی چیزوں کو کس کرتے ہیں؟

نور: نہیں..... میں زمانے کے ساتھ چلتا ہوں۔ زمانہ حال سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے زمانے میں ہی خوراکیں تھیں، ہمارے زمانے میں ہی تعلیم تھی، ہمارے زمانے میں ہی ڈرامے تھے۔ ہمارے زمانے میں بڑے بچے بچوں کی ضرورت نہیں ہوتے۔ اچھے بھی ہوئے۔ آج کل جس طرح کے اداکار، اداکارائیں اداکار کیکڑا کرتے ہیں، وہ بہت اچھے ہیں، بہت اچھا کام ہو رہا ہے۔ بس مجھے یہ ضرور محسوس ہوتا ہے کہ اسکرپٹ کمزور ہے۔ جانے پہچانے نام اور کہنہ

مشق لکھنے والے نظر نہیں آتے۔ بس کچھ لوگ بیٹھ کر ڈراما بنا لیتے ہیں۔ بہر حال میں ماضی کو کس نہیں کرتا۔ حال میں زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔

نور: آپ کا نام بڑا مشکل سا ہے۔ ”دفنی دفنی“ میں اس پر خاکہ بھی لکھا جا چکا ہے۔ یہ نام کس نے رکھا تھا؟

نور: میرے ماموں نے..... انہیں اسلامی تاریخ سے دلچسپی تھی۔ ہم گاؤں کے لوگ ہیں۔ ہم گاؤں سے لاہور شفٹ ہو گئے لیکن دادا، دادی گاؤں میں ہی تھے۔ انہیں میری پیدائش کا پتہ چلا تو بہت خوش ہوئے لیکن جب انہیں نام بتایا گیا تو میری دادی کی تو زبان پر ہی نہیں چڑھا۔ انہوں نے تسبیح پر پڑھ پڑھ کر میرا نام دیا۔ شاید یہ ان کی تسبیح ہی کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی کامیابیاں عطا کر دیں۔

نور: آپ نے پرانا لاہور بھی دیکھا ہے۔ کہتے ہیں پرانے لاہور وارلندن میں کوئی فرق نہیں تھا؟

نور: شاید ماڈرن ہونے کے حوالے سے کہا جاتا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ پرانے وقتوں میں ہمارے بڑے شہر زیادہ لبرل نظر آتے تھے۔

نور: ٹی وی جب بلیک اینڈ وائٹ سے کلر ہوا تو آپ نے کیا تبدیلیاں محسوس کیں؟

نور: ہم نے شروع شروع میں خاصے بے ہودہ رنگوں کے کپڑے پہننے شروع کر دیے تھے اور یہ دیکھ کر بڑے خوش ہوتے تھے کہ جن رنگوں کے کپڑے ہیں، وہی رنگ اسکرین پر آ رہے ہیں۔ میری سیریز ”ایک حقیقت ایک افسانہ“ ٹی وی کی پہلی کلر سیریز تھی۔ میں نے اس میں صحافی کا رول کیا تھا۔ حقیقی واقعات پر مبنی ڈرامے تھے۔ ان کی وجہ سے لوگوں نے سمجھنا شروع کر دیا کہ میں بچ بچ ان کے مسائل حل کر سکتا ہوں۔ لوگ اپنے مسائل لے کر میرے پاس آنے لگے۔ اپنے گمشدہ بچوں کو تلاش کرانے اور اس طرح کے دوسرے بہت سے کاموں کی امیدیں رکھنے لگے۔

نور: سنا ہے آپ پر تھمس لکھ کسی نے پی ایچ ڈی بھی کیا ہے؟

نور: جی ہاں..... سلیکی کاشمیری نامی ایک خاتون نے پشاور یونیورسٹی سے میرے سفر ناموں کی تکنیک پر تھمس لکھ کر پی ایچ ڈی کیا ہے۔

نور: شادی ارشد چغتائی یا نو میرج؟ کتنے بچے ہیں، کیا ہیں؟

نور: شادی ارشد چغتائی۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹی ڈاکٹر ہے۔ ایک بیٹا اقوام متحدہ میں ڈپلومیٹ ہے۔ چھوٹا بیٹا لاہور میں ڈی سی کلسم ہے۔

نور: آپ نے ڈنیا گوی..... دل کہاں اٹھا رہا ہے؟

نور: لاہور میں..... مجھے کئی محنتوں سے آجی آفرز ہوئیں لیکن ان کیلئے لاہور چھوڑنا پڑتا، جس کیلئے میرا دل نہیں مانتا۔

نور: کبھی کوئٹہ کی ہے؟

نور: پڑنے کیلئے اگھینڈ گیا تھا تو وہاں تھوڑا بہت بنا لیتا تھا۔

نور: میوزک کیسا پسند ہے؟

نور: میوزک بہر طرح کا سن لیتا ہوں۔ لندن میں تو میں نے باروم ڈانس بھی سیکھا تھا۔ اس کا شٹلکیت بھی ہے میرے پاس۔ شاید اسی لیے مجھے میوزک کی، روح کی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ ہے۔

نور: وہاں کس کے ساتھ ڈانس کرتے تھے؟

نور: لڑکیوں کے ساتھ..... وہاں میری بہت سی گرل فرینڈز تھیں۔

نور: خیال رہے، یہ پروگرام بیگم بھی دیکھ رہی ہوں گی۔

نور: لیکن یہ سن وقت کی بات ہے جب وہ میری بیگم نہیں تھیں۔

نور: والد اور والدہ میں سے آپ کس کے زیادہ قریب تھے؟ کون زیادہ یاد آتا ہے؟

نور: دونوں ہی کے زیادہ قریب تھا۔ دونوں ہی کی ہر بات یاد آتی ہے۔ میں اپنے آپ کو اکینے میں دیکھتا ہوں تو والد صاحب یاد آ جاتے ہیں۔ والدہ صاحبہ کا یہ عالم تھا کہ میں گھر سے نکلتا تو وہ گیٹ کے پیچھے کھڑی اس وقت تک مجھے دیکھتی رہتیں جب تک گلی کے موڑ پر ان کی نظر سے اوچھل نہ ہو جاتا۔

نور: اب زندگی کیا ہے؟

نور: میرے بچے..... پوتے پوتیاں، اب بس وہی میری زندگی ہیں۔

نور: نئی نسل کیلئے..... یا ہم جیسوں کے لیے کوئی پیغام یا کوئی سب.....؟

نور: میں بے چارہ ایک پاپ ڈے سکتا ہوں..... بس یہی کہوں گا کہ آپ جو کچھ بھی کر رہے ہوں، اسے بہت تنگدستی سے لیں۔ اس میں بہت محنت کریں اور مطالعہ کریں۔ آپ جیسے لوگوں کو میں صرف یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ کیرے کو دوست سمجھیں، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں۔ اس طرح آپ محسوس کریں گے کہ کیرے کی آنکھ کے ذریعے لاکھوں لوگوں سے آپ کا رابطہ ہو گیا ہے اور آپ کی بات ان تک پہنچ رہی ہے۔